سچائی اور خلوص سے شُہرتِ دوام اور کامیابی حاصل ہوتی ہے

(فرمودہ ۲۳؍ستمبر ۱۹۳۸ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''ایک مسلمان دن میں چالیس پچاس مرتبہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ [1] کہتا ہے۔

جس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ ابھی مجھے سیدھے رستہ کی ضرورت ہے اے خدا! تُو مجھے سیدھا رستہ دکھا یعنی وُہ اقرار کرتا ہے اور اظہار کرتا ہے اور اصرار سے اظہار کرتا اور بار بار اقرار کرتا ہے کہ اسے سیدھے رستہ سے محبت ہے، وُہ سیدھا رستہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر وہ اسے مل جائے تو اسے قبول کرے گا۔ یہ کتنی پاکیزہ اور اعلیٰ درجہ کی خواہش ہے اگر یہ سچی ہو۔ دنیا کی ساری خوبیاں اور بھلائیاں اور اچھائیاں اس کے اندر آجاتی ہیں اور اس میں کیا شُبہ ہے کہ جو شخص سچے دل کے ساتھ یہ خواہش رکھتا ہے وہ دنیا میں چلتا پھرتا جنتی اور ولی اللہ ہے مگر سوال یہ ہے کہ وہ سچی خواہش رکھتا ہے یا نہیں۔ کونسا شخص دنیا میں ہے اور کس مذہب کا ہے کہ جو اس قسم کی سچی خواہش کو سن کر متاثر نہ ہوگا۔ مسلمانوں کو جانے دو یہ فقرہ کسی ہندو، سِکھ، عیسائی، یہودی کے سامنے رکھ دو کہ ایک شخص دن رات اس خواہش میں تڑپ رہا ہے اور دعائیں کرتا ہے کہ اے خدا! مجھے سیدھا رستہ دکھا اور وہ اس سیدھے راستہ پر چلنا چاہتا ہے تو پھر بغیر اس بات کا انتظار کئے کہ اسے یہ رستہ مل گیا ہے یا نہیں ہر ایک یہی کہے گا کہ وہ شخص بڑا نیک اور

بڑا بزرگ ہے۔

تو اس قسم کی مجرد خواہش ہی اعلیٰ چیز سمجھی جاتی ہے کُجا یہ کہ وہ پوری بھی ہو جائے۔ تڑپ اور جوش اپنی ذات میں ہی نیکی ہوتے ہیں۔ محبوب اپنے محبّ کی بات سنے یا نہ سنے، مطلوب ملے یا نہ ملے، طالب کے دل میں اسے پانے کی تڑپ کا موجود ہونا اپنی ذات میں بہت اعلیٰ اور مبارک بات ہے۔

جس طرح دنیا میں بڑے بڑے کامیاب آدمی مشہور ہوتے ہیں ہزاروں سال ان کا نام دنیا میں چلتا ہے اسی طرح سچی تڑپ رکھنے والے ناکام بھی مشہور ہوتے ہیں۔ سکندر دنیا میں مشہور ہے اس نے معلومہ دنیا کا بیشتر حصہ فتح کر لیا تھا ہزار ہا سال گزر چکے ہیں۔ دو ہزار سے زیادہ لیکن آج تک اس کا نام دلوں سے محو نہیں ہؤا۔ رستم ایک پہلوان تھا بادشاہ نہ تھا مگر کامیاب زندگی بسر کرنے اور دشمنوں کو مغلوب کرنے کی وجہ سے جو لوگ اس کی حقیقت سے قطعاً واقف نہیں وہ بھی اس کا نام لیتے ہیں۔ جب کوئی بڑے دعوے کرے تو کہتے ہیں بڑا رستم آیا ہے حالانکہ کہنے والے کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ رستم کون تھا اور کہاں کا رہنے والا تھا۔ حاتم نیک کاموں کی وجہ سے اتنا مشہور ہے کہ مخلوق میں سے ایک بڑے حصہ کی زبان پر اس کا نام ہے کوئی بڑا سخی ہو تو کہتے ہیں یہ تو حاتمِ زماں ہے اور اگر کوئی تھوڑی سی سخاوت کے بعد بڑے بڑے دعوے کرنے لگے اور اس پر فخر کرے تو کہتے ہیں کہ اس نے حاتم کی قبر پر لات ماری ہے۔ تو یہ لوگ کامیاب تھے اور اپنے اپنے خاص فن یعنی کوئی بہادری، کوئی سخاوت اور کوئی فتوحات میں نمایاں تھے اور اس وجہ سے مشہور ہیں مگر جس طرح یہ مشہور ہیں اسی طرح بعض ناکام بھی مشہور ہیں۔ جس طرح دنیا رستم، سکندر اور حاتم کا نام لیتی ہے اسی طرح بلکہ شاید اس سے زیادہ مجنوں کا نام لیتی ہے گو وہ کامیاب نہیں تھا۔ وہ ایک عورت کی وجہ سے دیوانہ ہؤا اور اسی وجہ سے مجنوں کہلایا۔ اس کا نام قیس تھا اس نے ایک عورت کی خواہش کی مگر اسے حاصل کئے بغیر ہی مر گیا اور اپنی معشوقہ سے شادی کا موقع اسے نہ مل سکا مگر دنیا میں جس طرح سکندر کا نام مشہور ہے اسی طرح قیس کا ہے بلکہ ہندوستان میں سکندر کا نام جاننے والے کم اور قیس کا عرف جاننے والے زیادہ ملیں گے۔ اپنے صوبہ میں دیکھ لو کتنے لوگ سکندر کا نام جانتے ہیں اور کتنے رانجھا کا حالانکہ وہ کامیاب

نہ تھا۔اس کی کہانی ہمیں یہی بتاتی ہے کہ وہ ناکام تھا مگر باوجود اس ناکامی کے اس کا نام آج تک قائم ہے۔ یہی حال فرہاد کا ہے اس کا نام غیر تعلیم یافتہ لوگوں میں زیادہ مشہور نہیں مگر تعلیم یافتہ طبقہ میں وہ ایسا ہی مشہور ہے جیسا سکندر، رستم یا مجنوں۔ حالانکہ وہ بھی ناکام تھا۔ ان لوگوں کے نام کامیاب لوگوں کی طرح کیوں مشہور ہیں اسی لئے کہ انہوں نے اپنے دل میں سچی تڑپ پیدا کی گو اسے پورا کرنے کے قابل نہ ہو سکے مگر انہوں نے اپنی تڑپ کو نہ چھوڑا۔ تو استقلال کے ساتھ مقصود کی طلب میں لگے رہنا اپنی ذات میں کامیابی ہے اور ایسی ہی کامیابی ہے جیسے فتوحات حاصل کرنا۔ اگر یہ بڑی چیز نہ ہوتی تو کامیاب لوگوں کے ساتھ ان ناکاموں کے نام مشہور نہ ہوتے مگر بنی نوع انسان کا یہ فیصلہ ہے اور متفقہ فیصلہ کہ جس مقام پر کامیاب لوگوں کو بٹھایا جاتا ہے اسی پر سچی تڑپ رکھنے والے ناکام بھی بٹھائے جاتے ہیں اور صحیح فیصلہ وہی ہوتا ہے جو لوگ کرتے ہیں، اپنے متعلق اپنا فیصلہ صحیح نہیں سمجھا جاتا۔ ہر ڈاکٹر یہی سمجھتا ہے کہ وہ بڑا قابل ہے، ہر وکیل یہی خیال کرتا ہے کہ وہ بہت لائق ہے لیکن دراصل بڑا ڈاکٹر اور بڑا وکیل وہی ہوتا ہے جس کے متعلق لوگ فیصلہ کریں کہ وہ بڑا ہے۔ عوام قانون نہیں جانتے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ایسی حِس رکھی ہے کہ وہ اچھی چیز کے متعلق فیصلہ کر سکتے ہیں ناکام وکیل شور مچاتے ہی رہتے ہیں کہ فلاں وکیل کچھ نہیں جانتا یونہی مشہور ہو گیا ہے لیکن یہ نہیں سوچتے کہ کیوں مشہور ہو گیا ہے۔

پبلک اپنے فیصلوں میں غلطی نہیں کرتی۔ ہمارے سامنے آ کر ایک شخص کام شروع کرتا ہے اور دیکھتے دیکھتے وہ آگے بڑھ جاتا ہے تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ وہ لائق ہے۔ کامیاب ڈاکٹروں کے متعلق کوئی طبی مجلس فیصلہ نہیں کیا کرتی کہ فلاں قابل ہے اور فلاں ناقابل بلکہ جاہل عوام ہی کیا کرتے ہیں۔ ناکام شور مچاتے رہتے ہیں کہ اس کے نسخہ میں تو صرف فلاں دوائی ہوتی ہے وہ جس پر ہاتھ ڈالتا ہے وہی مر جاتا ہے مگر پبلک ہے کہ اس کی طرف چلی جارہی ہے وہ اپنی فیس پانچ سے دس، دس سے سولہ، سولہ سے بتیس اور بتیس سے چونسٹھ کر دیتا ہے، اِدھر ملک غریب اور کنگال ہے مگر لوگ قرضہ لیں یا کچھ کریں بیماری کے وقت کسی نہ کسی طرح چونسٹھ روپے مہیّا کر کے اس کے پاس پہنچ جائیں گے۔

بسا اوقات وہ توجہ نہیں کرے گا کہہ دے گا مجھے فرصت نہیں مگر لوگ اسی کے پیچھے چلے جارہے ہوں گے جہاں دوسرا اپنی قابلیت پر فخر کرنے والا ڈاکٹر سارا دن بیٹھا مکھیاں مارتا ہے وہ جسے بدنام کیا جاتا ہے انتہا درجہ مشغول رہتا ہے۔ میرا اپنا تجربہ ہے۔ ۱۹۱۸ء میں جب میں بیمار ہؤا تو ڈاکٹروں کی رائے تھی کہ ڈاکٹر سدر لینڈ سے مشورہ کیا جائے۔ میں نے انہیں مشورہ کے لئے وقت دینے کے لئے لکھوایا تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے فرصت نہیں اور پندرہ دن یا شاید بیس دن کے بعد کہا کہ دیکھ سکوں گا۔ چنانچہ ہم اتنے ہی دن کے بعد گئے تو انہوں نے معذرت کی اور نوٹ بک نکال کر دکھائی اور بتایا کہ میں روزانہ ہی مریض دیکھتا ہوں اور آج تک کے نام پہلے ہی مقرر تھے۔

لیکن لاہور میں دوسرے ڈاکٹروں کی عام طور پر یہی رائے تھی کہ وہ B. Coli [۲] کے سِوا کچھ جانتا ہی نہیں وہ اس کے خلاف شور مچاتے تھے مگر لوگ پھر اس کے پاس پہنچتے تھے حالانکہ وہ دیکھنے سے انکار کرتا تھا اور ظاہر ہے کہ جس وکیل یا ڈاکٹر کے پاس لوگ جائیں گے کمائی بھی وہی کرے گا اور عزت وشہرت بھی اسے ہی حاصل ہوگی اور دوسرا اسے بدنام کرنے والا صرف کُڑھتا اور دل میں جَلتا رہے گا۔ تو پبلک جس کے متعلق فیصلہ کرے کہ وہ اچھا ہے اسے ہی روپیہ اور شہرت اور عزت حاصل ہوتی ہے۔ پبلک کے دماغ میں اللہ تعالیٰ نے یہ مادہ رکھ دیا ہے کہ وہ محسوس کر لیتی ہے کہ قابلیت کس کے پاس ہے اور اس لئے اس کا فیصلہ قابلِ قدر ہوتا ہے بشرطیکہ اس کا فیصلہ ورثہ میں نہ ملا ہو بلکہ اس نے خود تجربہ کے بعد حاصل کیا ہو اور پبلک کا فیصلہ یہی ہے کہ جو عزت وہ کامیاب وجودوں کو دیتی ہے وہی ایسے ناکام وجودوں کو دیتی ہے جو استقلال کے ساتھ اپنے مقصود کے پیچھے پڑے رہے۔ پبلک نے جس مقام پر سکندر اور رستم کو بٹھایا ہے اسی پر مجنوں، فرہاد اور پنجاب میں رانجھے کو بٹھایا ہے۔ یہ پبلک کا فیصلہ بتاتا ہے کہ انسانی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے یہ مادہ رکھا ہے کہ اس کے نزدیک استقلال کے ساتھ کسی چیز کے پیچھے چلے جانا بڑی خوبی ہے۔

تو جو شخص دن میں چالیس پچاس مرتبہ عاجزانہ طور پر یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! مجھے سیدھا راستہ دکھا اور کہتا چلا جاتا ہے حتّٰی کہ اسے موت آجاتی ہے تو اگر وہ یہ دعا اسی اخلاص سے کرتا ہے

جس طرح قیس نے لیلیٰ کے حصول کے لئے کوشش کی، اسی محبت سے اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے جس طرح فرہاد شیریں کو کرتا تھا، اسی خلوص کے ساتھ اپنے اندر تڑپ پیدا کرتا ہے جو ہیر کے لئے رانجھا کے دل میں تھی تو گو وہ ناکام ہی رہے۔ اگرچہ الٰہی محبت کے رستہ میں انسان ناکام نہیں رہا کرتا لیکن فرض کرلو وہ کامیاب نہ ہو تو بھی اسی شُہرت کا مستحق ہوگا جو سکندر کو حاصل ہے، رستم اور حاتم کو حاصل ہے۔ مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ہزاروں لوگ روزانہ یہ دعا مانگتے ہیں انہیں شہرتِ دوام کیوں حاصل نہیں ہوتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہزاروں ہیں کہ جو دن رات یہی رٹ لگاتے ہیں مگر ان میں سے کسی کو بھی شُہرتِ دوام کا مقام حاصل نہیں ہؤا۔ بڑے بڑے لوگوں کو تو جانے دو ان کو رانجھے والا مقام بھی حاصل نہیں جو صرف پنجاب کا ہیرو تھا۔ اب غور کرو کہ کیوں ایسا نہیں ہوتا، دنیا کیوں فیصلہ نہیں کرتی کہ یہ شخص بھی فرہاد اور رانجھے کے مقام پر ہے۔ کیا پہلوں نے دنیا کو کوئی رشوت دی ہوئی تھی کہ ان کا نام تو مشہور ہوگیا اور ان کا نہیں ہوتا۔ ان کے واقعات سن کر لوگ رونے لگ جاتے ہیں۔ اچھے اچھے ثقہ آدمی وہ شعر گنگناتے ہیں جن میں ان کے حالات بیان ہیں مگر یہ ان کے دروازہ پر بیٹھا ہؤا انسان جو دن رات اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہہ رہا ہے اور وہی نقل کر رہا ہے جو قیس، فرہاد اور رانجھے نے کی تھی مگر لوگ اُنہیں تو یاد کرتے ہیں لیکن اس کا نام کوئی نہیں لیتا اور پھر کوئی یہ بھی نہیں کہتا کہ میاں تم قیس کو تو یاد کرتے ہو فرہاد کی قدر کرتے ہو مگر یہ کیا اُن سے کم ہے کہ جو دن میں چالیس پچاس مرتبہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ، اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ کہتا رہتا ہے۔ تم پرانے قیس، فرہاد اور رانجھے کو یاد کرتے ہو اور اس نئے قیس، فرہاد اور رانجھے کا ذکر تک نہیں کرتے حالانکہ وہ تو عورتوں کے عاشق تھے مگر یہ خدا کا عاشق ہے۔

تم میں سے ہر ایک شخص اپنے نفس کو ٹٹولے کہ وہ اس کا کیا جواب دے گا۔ وہ یہی کہے گا کہ ایک چھوٹا سا ہیرا شیشے کے بہت بڑے ٹکڑے سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ بے شک یہ شخص کہتا ہے کہ میں عاشق ہوں مگر اس کے چہرے پر عشق کے وہ آثار نظر نہیں آتے جو قیس اور رانجھا میں دکھائی دیتے ہیں۔ میں کیا کروں میرے اندر جو دماغی قابلیتیں ہیں جب قیس کے واقعات

سامنے آئیں تو ان سے آواز آتی ہے کہ یہ سچا ہے جب فرہاد کا ذکر آئے تو آواز آتی ہے کہ وہ سچا ہے، خواہ وہ عورتوں کے عاشق تھے مگر عشق میں سچے تھے مگر جب خدا کے اس عاشق کا ذکر ہو تو میرے دل میں اس کے لئے کوئی عزت پیدا نہیں ہوتی۔ اگر واقع میں یہ خدا تعالیٰ کا عاشق ہوتا تو دنیا کو اس سے متاثر ہونے میں کیونکر انکار ہوسکتا تھا۔ لیلیٰ سے ہماری کوئی رشتہ داری نہ تھی، شیریں سے کوئی واسطہ نہ تھا پھر کیا وجہ ہے کہ قیس اور فرہاد کے حالات پڑھ کر تو دل پر اثر ہوتا ہے لیکن خدا تعالیٰ تو ہمارا ہے مگر اپنے اس خدا سے محبت کرنے والے کے متعلق ہمارے دلوں میں کوئی ٹیس نہیں اُٹھتی اسی وجہ سے کہ اس کی محبت بناوٹی ہے اور حقیقت کے سامنے بناوٹ ٹھہر نہیں سکتی۔ شیشہ خواہ کتنا بڑا ہو چھوٹے سے چھوٹا ہیرا جو قلم کی نوک پر لگا ہو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے لیکن سچے دل سے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہنے والا فرض کر لو نا کام بھی رہے تو بھی وہ بڑی بھاری چیز ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ ہم دیکھیں گے کہ جو سچائی اسے ملی ہوئی ہے اس سے اس نے کیا فائدہ اٹھایا ہے۔ آخر کوئی نہ کوئی سچائی خدا تعالیٰ نے اسے بتائی بھی تو ہوتی ہے۔ جب ہم خدا تعالیٰ سے یہ کہتے ہیں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ تو کیا اس وقت تک ہمیں کسی سچائی کا پتہ بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ تو دیکھنا یہ ہوگا کہ اس دعا کے مانگنے والے کے پاس جو سچائی ہے اس سے اس نے کیا فائدہ اٹھایا ہے کہ اور مانگنے کا مستحق ٹھہر سکے۔ جو شخص پہلی عطا کردہ سچائی سے تو فائدہ نہیں اٹھاتا اور مزید مانگتا رہتا ہے اس کی مثال اس بچہ کی سی ہے جس کی جھولی میں پھل پڑے ہیں اور انہیں وہ کھا نہیں سکتا مگر اور مانگتا جاتا ہے۔ اس کا پیٹ تو اتنا چھوٹا ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے اسے بھی نہیں کھا سکتا لیکن حرص کی وجہ سے اس کا مطالبہ بڑھتا جاتا ہے مگر کیا یہ کبھی ہوا ہے کہ بچہ اس طرح مانگتا جائے اور ماں تھالیاں اس کے سامنے رکھتی جائے۔ وہ اسے اور نہیں دیتی وہ جانتی ہے کہ اس کی خواہش جھوٹی ہے ورنہ جو کچھ اسے دیا جاچکا ہے پہلے اسے کیوں نہیں کھاتا۔ اسی طرح سوال یہ ہے کہ جو شخص اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہتا ہے اس کے پاس پہلے سے کوئی صداقت موجود ہے یا نہیں؟ کیا اسے معلوم نہیں کہ سب مذاہب نے سچ بولنے کا حکم دیا ہے پھر کیا وہ سچ بولتا ہے اگر نہیں تو اس کا اور مانگنا فضول ہے، اَور تو اسے ملتا ہے جو پہلی چیز کو ختم کرے، جو پہلی نعمت کو

استعمال کرے خدا تعالیٰ اسے اور دیتا ہے لیکن جس کی یہ حالت ہو کہ جو کچھ اسے ملے اس کو تو پیچھے پھینک دیتا اور اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا لیکن اور مانگتا جاتا ہے۔تو وہ نادان بچہ کی طرح ہے جسے یا تو بہلا دیا جائیگا اور یا اگر وہ زیادہ شور کرے گا تو ماں ایک تھپڑ اس کے لگا دے گی۔ بیمار، جاہل اور ضدی بچے ہمیشہ ایسا کرتے ہیں چیز مانگتے ہیں اور اسے پھینک کر اور مانگنے لگتے ہیں۔ایسا بچہ اگر تو بیمار ہو تو ماں اسے بہلاتی ہے اور اگر ضدی ہو تو تھپڑ رسید کر دیتی ہے۔ اسی طرح جو شخص پہلی سچائیوں پر عمل کئے بغیر اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہے جاتا ہے وہ اگر تو بیمار ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بہلا دیگا لیکن اگر بیمار نہیں تو بجائے صراطِ مستقیم کے اسے تھپڑ بھیجے گا اور کہے گا کہ نالائق تجھے اتنی چیزیں میں نے دے رکھی ہیں ان کو تو استعمال کرتا نہیں اور مزید مانگتا جاتا ہے۔مگر جو پہلی ملی ہوئی سچائی سے فائدہ اٹھا کر اور مانگتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نئی سچائی بھیجی جاتی ہے جس طرح ہمارا خدا غیر محدود ہے اسی طرح صراطِ مستقیم غیر محدود ہے اور خدا تعالیٰ کا وصال غیر محدود ہے جو شخص کسی بھی مقام پر پہنچ کر یہ کہتا ہے کہ میں نے خدا تعالیٰ کو ایسا پالیا کہ اب آگے قدم اٹھانے کی کوئی گنجائش نہیں وہ جھوٹا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ[3] یعنی میں سب انسانوں کا سردار ہوں۔آپ کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ دَنَا فَتَدَلّٰى[4] یعنی وہ خدا تعالیٰ کے قریب ہؤا۔اور اس نے انتہائی قُرب کو پالیا۔اور پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ[5] کہ اے رسول! تو ان لوگوں سے کہہ دے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرے غلام بن جاؤ خدا تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے۔اس انسان کو اللہ تعالیٰ یہ بھی ہدایت کرتا ہے کہ رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا[6] کی دعا مانگا کرو۔یعنی اے اللہ! مجھے اپنا قُرب اور عرفان اَور زیادہ بخش،تو انتہائی مقام پر پہنچے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے کہ کسی بھی مقام پر پہنچ کر یہ مت سمجھو کہ سب کچھ مل گیا بلکہ رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا کہو اور یہ دعا کرتے رہو کہ اے خدا! مجھے علمِ دین اور عرفان میں اور بڑھا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ترقی کی گنجائش باقی ہے تو اور کون ایسا انسان ہے جس کے لئے کوئی مقام بھی باقی نہ رہا ہو۔ ہر انسان کے لئے خواہ وہ کسی مقام پر ہو مزید مانگنے کی گنجائش باقی رہتی ہے

اور جب تک انسان اس بات کو نہیں سمجھتا کہ خدا تعالیٰ کے قُرب کے لئے کوئی انتہا نہیں تب تک وہ نیکی کے مقام کو نہیں پاسکتا جس نے یہ گمان کیا کہ خدا تعالیٰ سے ملنے کی کوئی حَد ہے وہ یا تو پاگل ہے یا خدا تعالیٰ کا منکر ہے۔

ایک دفعہ اسی مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد ایک صاحب نے جو باہر سے آئے ہوئے تھے مجھ سے بات کرنے کی خواہش کی میں بیٹھ گیا تو انہوں نے سوال کیا کہ جب کوئی شخص کسی دوست سے ملنے جائے تو اس کے پاس پہنچ کر اسے گھوڑے سے اُتر جانا چاہیئے یا سوار ہی رہنا چاہیئے یا اگر وہ دریا میں جارہا ہو تو دوست کو کنارہ پر پا کر کشتی سے اتر پڑے یا اسی میں بیٹھا رہے۔ میں ان کا مطلب سمجھ گیا اور مجھے پتہ لگ گیا کہ یہ اباحتی آدمی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز، روزہ وغیرہ عبادتیں سواری ہیں خدا تعالیٰ تک پہنچانے کی اور جب وہ مل جائے تو پھر ان کی کیا ضرورت ہے۔ وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ ہم لوگ جب نمازیں پڑھتے اور دعائیں مانگتے جاتے ہیں تو کیا خدا تعالیٰ کبھی ملتا ہی نہیں؟ اگر نہیں ملتا تو ان عبادتوں کا کیا فائدہ۔ اور اگر ان کے نتیجہ میں وہ مل جاتا ہے تو پھر ان کی کیا ضرورت باقی رہ سکتی ہے یہی وہ چیز ہے جس کا نام ان لوگوں نے طریقت رکھا ہوا ہے۔ خیر مَیں اس کا مطلب سمجھ گیا اور میں نے جواب دیا اگر تو دریا محدود ہے تو کنارہ آنے پر کشتی سے اتر جانا چاہیئے لیکن اگر دریا غیر محدود ہے تو جس وقت اُترا اسی وقت ڈوبا اس کی نجات کشتی میں ہی ہے اس پر وہ خاموش ہو گیا اور کہنے لگا کہ اچھا یہ بات ہے۔ میں نے کہا ہاں یہی ہے میں نے اسے بتایا کہ ہم خدا تعالیٰ کو غیر محدود مانتے ہیں اور اس لئے اس کا وصال بھی غیر محدود ہے دریا میں چلنے والا پہلے قدم میں اور جگہ ہوتا ہے، دوسرے قدم میں اور جگہ ہوتا ہے۔ تیسرے پر اَور جگہ اور چوتھے پر اَور جگہ۔ اگر اس کا مقصد دریا ہی کی سیر ہے تو وہ شروع سے آخر تک دریا کی سیر میں مشغول رہے گو اس کا ہر دوسرا لمحہ پہلے سے مختلف ہے لیکن بڑھتا ہی چلا جائے تو آخر دریا ختم ہو جائے گا لیکن اگر دریا کا پاٹ غیر محدود ہے تو گو کشتی میں بیٹھنے کے ساتھ ہی دریا کی سیر شروع ہو جائے گی مگر وہ ختم کبھی نہ ہوگی اور اترنے کا وقت کبھی نہ آئے گا اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت میں ترقی کرنیوالا بھی آگے ہی بڑھتا جاتا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی ہستی غیر محدود ہے اُس کا وصال بھی غیر محدود ہے جو شخص دریا میں ایک فٹ بڑھا ہو

اس کے متعلق بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ دریا میں ہے اور جو وسط میں ہو اس کے متعلق بھی، اسی طرح جو وصالِ الٰہی کی پہلی منزل پر ہی ہے اسے وصال تو حاصل ہے لیکن اگر وہ اس پر مطمئن ہو کر بیٹھ گیا ہے تو وہ عاشق نہیں کہلا سکتا۔ عاشق وہی ہے جو لیتا جائے اور مانگتا جائے۔ اور جو اسے ملے اسے دل میں جگہ دے اور اس سے فائدہ اٹھائے اور پھر اور مانگتا چلا جائے۔ عشقِ الٰہی کی یہی پَرکھ ہے کہ پہلی حاصل کردہ چیز کو اپنے دل میں جگہ دے اور پھر زائد کی درخواست کرے۔ جو شخص پہلی حاصل شدہ سچائی کو اپنے دل میں محبت سے جگہ دیتا ہے اس کا حق ہے کہ اس کے بعد اور ہدایت کی درخواست کرے حتّٰی کہ ہر روز مانگتا جائے۔ بلکہ ہر لحمہ مانگتا جائے۔ ایسا شخص اس زیادہ طلبی کی وجہ سے روز بروز خدا تعالیٰ کے قریب ہوتا جائے گا لیکن اگر پہلی کو پھینک کر اور مانگتا ہے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے اسے تھپڑ رسید کیا جائے گا اور خدا تعالیٰ کہے گا کہ نالائق پہلے جو کچھ تجھے دیا گیا ہے اسے تو استعمال کرتا نہیں اور اَور مانگتا ہے۔

پس مؤمن کا فرض ہے کہ وہ دیکھے پہلی سچائی جو اسے ملی ہوئی ہے اسے وہ استعمال کر رہا ہے یا نہیں۔ میں نے کئی دفعہ بتایا ہے کہ ایک ادنیٰ نیکی سچ بولنا ہے مگر تم میں سے کتنے ہیں کہ جنہوں نے اس کو اختیار کیا ہؤا ہے اور جو اسے بھی اختیار نہیں کرتے اور اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کہتے رہتے ہیں۔ کیا ان کی مثال اس بچہ کی نہیں جو پہلی حاصل شدہ چیز کو تو پھینک دیتا ہے مگر اور مانگنے لگ جاتا ہے وہ اس نیکی کو تو چھوڑتا ہے اور خدا تعالیٰ سے کہتا ہے کہ مجھے اور دے۔ میں نے کئی بار بتایا ہے کہ سچ بولنا چھوٹی سے چھوٹی نیکی ہے اور اگر ہماری جماعت اسے ہی اختیار کر لے حتّٰی کہ دنیا میں ہر شخص یہ اقرار کرے کہ یہ جماعت سچی ہے اور کوئی احمدی جھوٹ نہیں بول سکتا تو ہمارا یہ ایک عمل ہی دوسرے ہزاروں عیوب کی پردہ پوشی کر سکتا ہے مگر افسوس ہے کہ جماعت نے ابھی یہ بھی تو حاصل نہیں کی۔ ہزاروں آدمی ابھی ایسے ہیں جو سچ کی تعریف بھی نہیں سمجھتے۔ پچھلے ہی دنوں میں نے ایک خطبہ پڑھا تھا جو شاید ابھی چھپا ہے یا نہیں مگر ابھی جو میں لاہور گیا تو وہاں ایک دوست ایک واقعہ سنانے لگے کہ فلاں شخص نے یوں جھوٹ بولا گویا یہ کوئی بڑے فخر کی بات تھی۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ پچاس سال سے جماعت کو یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ سچائی ایک قیمتی جوہر ہے جس کے بغیر کوئی نیکی نہیں۔ کوئی شخص صبح سے شام تک روزہ رکھے

اور ساری رات تہجد میں لگا رہے اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے لیکن اگر اس میں سچائی نہیں تو اس کی یہ ساری عبادتیں مچھر کے پَر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتیں۔ تم چندے دے دے کر کنگال ہو جاؤ، تمہارے بیوی بچوں کے تن پر کپڑا نہ رہے اور کھانے کو نہ ملے۔ پچاس سال سے تم نے اس نیکی میں بھی ناغہ نہ کیا ہو لیکن اگر تمہارے اندر سچائی پیدا نہیں ہوئی تو تمہارے دل میں احمدیت کا ایک ذرہ بھی نہیں۔

سچائی پہلی سیڑھی ہے اور جو شخص پہلی سیڑھی پر قدم نہیں رکھتا وہ دوسری پر نہیں پہنچ سکتا۔ یاد رکھو کہ چند نیکیاں ابتدائی ہیں جب تک وہ حاصل نہ ہوں کچھ نہیں مل سکتا اور ان کے بغیر جو ملے گا وہ ریا، مکر، فریب، دغا اور دھوکا ہوگا اور سچائی ابتدائی نیکیوں میں سے ہے جب تک یہ حاصل نہیں ہوتی تم اور کوئی نیکی حاصل نہیں کر سکتے جس طرح خدا تعالیٰ پر ایمان کا ہونا نیکی کے لئے ضروری ہے اسی طرح سچائی بھی ضروری ہے۔ مؤمن اور غیر مؤمن میں یہی فرق ہوتا ہے کہ مؤمن سچا ہوتا ہے۔ کوئی شخص خواہ کتنی نمازیں پڑھے نیکی کی ہر آواز پر فوراً لبیک کہے لیکن اگر وہ سچائی پر قائم نہیں تو اس کی نمازیں بے سود ہیں اور اس کا خدا تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہنا فریب ہے کیونکہ دوسری سیڑھی پر وہی چڑھ سکتا ہے جو پہلی پر چڑھے۔ جو پہلی سیڑھی پر قدم رکھے بغیر سمجھتا ہے کہ میں آخری پر پہنچ گیا ہوں وہ پاگل ہے اور اس کا یہ دعویٰ ایسا ہی ہے جیسا بعض پاگل بادشاہ ہونے کا دعویٰ کیا کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بادشاہ ہیں۔ پاگلوں میں اپنے آپ کو بادشاہ سمجھنے والے بھی ہوتے ہیں اور ولی اللہ اور فلاسفر بھی۔ میں نے پاگل خانہ دیکھا ہے بعض وہاں ایسے تھے جو مہدی ہونے کے مدعی تھے، بعض اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتے تھے۔ میں جب پاگل خانہ دیکھنے گیا تو ایک پاگل نے میرے کان میں آکر کہا کہ میں ایڈورڈ ہفتم ہوں یہاں سیر کے لئے آیا ہوا ہوں مگر آپ یہ بات کسی کو بتائیں نہیں جو ڈاکٹر میرے ساتھ تھا اس نے بتایا کہ یہ ہر شخص کو اسی طرح کہتا ہے۔ تو کئی پاگل بادشاہ ہونے کے مدعی ہوتے ہیں مگر ہم چونکہ جانتے ہیں کہ یہ پہلی سیڑھی ہی نہیں چڑھا اس لئے اُسے پاگل قرار دیتے ہیں اگر پہلی منازل وہ طے کر چکا ہوتا تو ہم اسے پاگل نہ کہتے۔ بادشاہ کے لئے یہ کوئی ضروری تو نہیں کہ وہ بادشاہ کا ہی بیٹا ہو آخر عوام میں سے بھی تو بادشاہ ہوئے ہیں۔ نادرشاہ کسی بادشاہ کا بیٹا نہیں تھا بلکہ اس کا باپ گڈریا تھا جب

اس نے ہندوستان کو فتح کیا تو ایک روز دربار لگا ہوا تھا درباریوں نے مشورہ کیا کہ مختلف خاندانوں کا تذکرہ کرتے ہوئے آخر نادرشاہ سے اس کے خاندان کے متعلق پوچھا جائے اور چونکہ وہ کسی اعلیٰ خاندان سے نہیں اس لئے بہت نادم ہوگا۔ چنانچہ اسی رنگ میں گفتگو شروع ہوگئی نادرشاہ سمجھ گیا کہ مقصد کیا ہے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ ترقی دیتا ہے انہیں ذہنِ رَسا بھی حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ بیٹھا مسکراتا رہا۔ آخر بات ہوتے ہوتے اس تک پہنچی اور اس سے پوچھا گیا کہ جناب کے باپ کا نام اور خاندانی حالات کیا ہیں۔ اس نے تلوار نکال کر کہا کہ میرے باپ کا نام یہی ہے۔ یعنی تم میری تلوار کو دیکھ چکے ہو تمہیں میرے باپ کے نام سے کیا غرض۔ میں تمہیں فتح کر کے یہاں بیٹھا ہوں اور جسے ذاتی جوہر حاصل ہو اُسے والد کے جوہر کی کیا ضرورت۔ بھلا اس بادشاہ کو جو اس وقت نادرشاہ کے غلام کی حیثیت رکھتا تھا۔ بابر اور ہمایوں کی اولاد میں سے ہونے کا کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا اور نادرشاہ کو جس نے تلوار سے فتح حاصل کی تھی اس بات سے کیا نقصان ہوسکتا تھا کہ اس کا باپ گڈریا تھا۔ تو انسان ذاتی جوہر سے بھی ترقی کرسکتا ہے اس لئے اگر بادشاہ ہونے کا مدعی پہلی سیڑھی طے نہ کر چکا ہو تو اسے پاگل کہا جائے گا لیکن اگر وہ پہلے فتوحات حاصل کرے اور پھر کہے کہ میں بادشاہ ہوں تو سب کہیں گے کہ ہاں حضور بے شک بادشاہ ہیں تو پہلی سیڑھی کے بغیر دوسری کا خیال کرنا جنون ہے۔

اسی طرح سچائی پر قائم ہوئے بغیر جو شخص سمجھتا ہے کہ میں مسلمان احمدی، نیک اور ولی اللہ بن گیا ہوں وہ پاگل ہے کیونکہ وہ کچھ بھی نہیں ہوسکتا جب تک سچائی کو اختیار نہیں کرتا اور اس کے بغیر اگر کوئی روحانی دعویٰ کرتا ہے وہ یا تو پاگل ہے اور یا پھر دنیا کو دھوکا دیتا ہے۔ سچائی ابتدائی نیکی ہے اس کی تعلیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع نہیں ہوئی بلکہ آپ سے پہلے اس کی تعلیم حضرت عیسیٰ ؑ دے چکے تھے اور وہ بھی یہ تعلیم دینے نہیں آئے تھے کیونکہ یہ بات اس سے بھی پہلے حضرت موسیٰ ؑ کہہ چکے تھے اور وہ بھی یہ سکھانے نہیں آئے تھے بلکہ ان سے بھی پہلے حضرت ابراہیمؑ یہ بات کہہ چکے تھے اور وہ بھی اس لئے نہیں آئے تھے بلکہ یہ حکم اس سے پہلے حضرت نوح ؑ بتا چکے تھے اور حضرت نوحؑ بھی یہ بات بتانے کے لئے نہیں آئے تھے کیونکہ ان سے پہلے حضرت آدمؑ اس کا اعلان کر چکے تھے۔

گویا انسان کی پیدائش کے وقت سے اسے سچ بولنے کی تعلیم دی گئی ہے اور جو سچائی اس طرح سب دنیا میں متفقہ ہو وہ روحانیت کے لئے بطور بنیاد کے ہوتی ہے اور اس کو خدا تعالیٰ نے روحانیت کے لئے ایسا ہی ضروری قرار دیا ہوتا ہے جیسا کہ جسم کے لئے ناک، کان وغیرہ۔ ہندوستانی، افغانی، عرب اور مغربی لوگوں کے لباس میں تو فرق ہوسکتا ہے، زبانوں میں فرق ہوسکتا ہے مگر ناک، کان، آنکھوں میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ یورپ کے رہنے والوں کے رنگ گورے ہوں مگر آنکھیں ان کی بھی دو ہی ہوں گی، ان کے بال بھورے ہوں گے مگر یہ نہیں ہوگا کہ ناک سر کے پیچھے ہو یہی چیزیں انسان کی شکل کہلاتی ہیں اسی طرح روحانیت میں بھی بعض باتیں اس کی شکل میں شامل ہیں۔ جو چیز حضرت آدمؑ کے وقت انسان کو نہیں ملی وہ روحانی جسم کا حصہ نہیں بلکہ زائد نیکی ہے۔ روحانی جسم کو مکمل کرنے والی وہی چیزیں ہیں جو آدم سے لے کر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک ہی رہیں اور ان میں سے ایک سچائی ہے۔ جس طرح آدم سے لے کر اس وقت تک انسانوں نے بہت ترقیات کیں مگر آنکھیں اب بھی دو ہی ہیں اسی طرح کئی عبادات قائم ہوئیں اور کئی منسوخ ہوئیں، کسی نبی نے شراب کو جائز رکھا اور کسی نے حرام کر دیا، کسی نے نماز کا طریق کوئی بتایا اور کسی نے کوئی، مگر اس میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی کہ ہمیشہ سچ بولنا چاہئے ہر نبی یہی کہتا آیا ہے کہ ہمیشہ سچ بولو۔

پس جو چیز روحانیت کے لئے بمنزلہ آنکھ کے ہے اسے ترک کر کے انسان کبھی روحانی ترقی حاصل نہیں کرسکتا۔ جس کی آنکھیں نہ ہوں وہ جرنل نہیں بن سکتا۔ کُشتی تو شاید وہ کچھ نہ کچھ کر ہی لے مگر جرنیلی نہیں کرسکے گا۔ اسی طرح روحانیت کے میدان کا شہسوار لولا، لنگڑا یا اندھا نہیں ہوسکتا۔ سچائی روحانیت کے جسم کا حصہ ہے جو اسے چھوڑتا ہے وہ روحانیت کو حاصل نہیں کرسکتا اور جو ایسا سمجھتا ہے وہ فریب خوردہ ہے اور بے وقوفوں کی جنت میں آباد ہے۔ ہماری جماعت کو غور کرنا چاہئے کہ وہ کونسا وقت آئے گا جب وہ یہ خیال کریں گے کہ ہم اب سچ پر قائم ہو جائیں گے۔ بے شک بعض تم میں سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا یا بعض کہہ سکتے ہیں کہ ہم جب سے احمدی ہوئے ہیں اس وقت سے ہمیشہ سچ بولتے ہیں مگر یہ تو کافی نہیں۔ سوال تو یہ ہے کہ جماعت میں سچائی کے قیام کے لئے تم نے کیا کوشش کی ہے۔ اگر ہمارے دوست سچائی پر قائم

ہو جائیں تو قضاء میں کوئی مقدمہ آئے ہی نہیں اور کوئی آئے بھی تو ایسا کہ جس میں کوئی غلط فہمی ہوگئی ہو اور ایسے معاملہ کا فیصلہ کرنا قاضی کے لئے بالکل آسان ہوتا ہے مگر افسوس ہے کہ یہ بات نہیں۔ مقدمات میں ایسے ایسے گواہ پیش ہوتے ہیں جن کے متعلق ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں گو بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو غلط فہمی کی وجہ سے غلط بات کہہ دیتے ہیں لیکن اگر ہم میں ایک شخص بھی ایسا ہے کہ جو جھوٹ بولتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کو سرطان کی بیماری ہو اور اس کا مقابلہ کرنا تمہارا فرض ہے۔

پس یہ وعدہ کرو کہ آئندہ نہ تو خود جھوٹ بولو گے اور نہ ہی اپنی اولادوں اور محلّہ والوں کو بولنے دو گے اور جب تم اپنی اولادوں کو جھوٹ سیکھنے ہی کا موقعہ نہ دو گے تو جھوٹ کہاں رہ جائیگا۔ بعض بچوں کو جوئیں پڑ جاتی ہیں تو سارا گھر باری باری نکالنے بیٹھتا ہے حتّٰی کہ چُن چُن کر سب کو مار دیتے ہیں بلکہ لیکھیں بھی تلاش کر کے ختم کر دیتے ہیں اسی طرح تم جھوٹ کو بھی ختم کرو۔ جس طرح دیوانے کتّے کو تلاش کر کے اسے ہلاک کیا جاتا ہے اسی طرح تم جھوٹ کو مٹاؤ۔ سانپ اور بچھو کو اتنا زہریلا نہ سمجھو جتنا جھوٹ کو اگر تم ایسا کرو تو چھ ماہ کے اندر اندر جماعت سے جھوٹ کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں ہر شخص یہ سمجھ لے گا کہ اگر اس جماعت میں رہنا ہے تو جھوٹ چھوڑنا پڑے گا اور جب جھوٹ گیا تو باقی گناہ بھی نہیں رہ سکیں گے۔ یعنی تمہارے اندر طاقت پیدا ہو جائے گی کہ دوسرے گناہوں کو بھی دبا دو۔ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ قابلیت رکھی ہے کہ وہ سچائی کی مدد سے ہر گناہ کا مقابلہ کرسکتا ہے پھر ایک دفعہ توجہ کر کے ہماری جماعت جھوٹ کا کیوں خاتمہ نہیں کر دیتی۔ تحریک جدید کے اصول میں سے ایک یہ تھا کہ سچ بولو مگر افسوس کہ خود تحریک جدید کے متعلق بھی سچ نہیں بولا جاتا۔ میں نے بار بار کہا ہے کہ یہ چندہ مجبوری کا نہیں تم وہی لکھواؤ جو دے سکتے ہو اور اگر نہیں دے سکتے تو مت لکھواؤ۔ مگر کئی لوگ ہیں جو محض اس وجہ سے نام لکھوا دیتے ہیں کہ اس وقت مجلس میں ان کا نام بھی آ جائے، کئی ایسے ہیں کہ وہ ہر سال چندہ لکھوا دیتے ہیں مگر ادا نہیں کرتے اور پھر اگلے سال وہ لکھتے ہیں اس سال ہمارا وعدہ ضرور قبول کر لیا جائے اور ہم پچھلے سال کا بھی اس سال میں ادا کریں گے مگر کچھ نہیں ادا کرتے اور تیسرے سال پھر لکھتے ہیں کہ وعدہ ضرور لے لیا جائے ورنہ بڑی ذلّت ہوگی اور ہم

تو بس مر ہی جائیں گے اور جب یہ سال بھی گزر گیا تو چِٹھی آ جائیگی کہ فلاں مصیبت کی وجہ سے ہم چندہ ادا نہ کر سکے۔ اب کے سال ہمیں ضرور اجازت دی جائے ورنہ غم کی وجہ سے ہم مر جائینگے۔ اس سال تو ضرور ادا کریں گے اور پھر کچھ ادا نہیں کرینگے۔ یہ لوگ یہ نہیں سوچتے کہ ان سے کس نے کہا تھا کہ ضرور چندہ دو اگر وہ دے نہیں سکتے تھے تو انہیں نام لکھوانا کیا ضروری تھا کیا پہلے ہی ان کے گناہ کم تھے کہ دین کے معاملہ میں بھی جھوٹ بولنا ضروری سمجھا۔

میں نے کئی بار کہا ہے کہ نام لکھوانے کے بعد بھی اگر کوئی سمجھتا ہے کہ وہ چندہ نہیں دے سکے گا تو اسے چاہیئے کہ معاف کرالے اور یہ کبھی نہیں ہوگا کہ کوئی معاف کرانا چاہے اور میں معاف نہ کروں۔ جو کہے گا میں نہیں دے سکتا اسے معاف کر دیا جائے گا یا جو دے تو سکتا ہے مگر کہتا ہے کہ مجھ میں ہمت نہیں یا میں دینا نہیں چاہتا یا اگر ہمت تو ہے مگر اپنے بیوی بچوں کو تکالیف میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ ان سب کو بھی میں معاف کرنے کو تیار ہوں بلکہ بغیر کسی عذر کے بھی معاف کرنے پر آمادہ ہوں تا تم گنہگار نہ بنو اور جھوٹے نہ کہلاؤ۔ مگر بعض ہیں کہ وہ نہ تو معاف کراتے ہیں اور نہ ادا کرتے ہیں اور اس طرح خدا تعالیٰ کے معاملہ میں بھی جھوٹ سے کام لیتے ہیں اور جو دین کے معاملہ میں جھوٹ بول لیتا ہے وہ دنیا کے معاملہ میں کہاں کمی کرتا ہوگا۔ اچھی طرح یاد رکھو کہ جب تک ہمارے اندر جھوٹ موجود ہے ہم فتح کا وہ دن جس کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کبھی نہیں دیکھ سکتے اگر اسے دیکھنے کی تڑپ اپنے دل میں رکھتے ہو تو ان گندوں اور خرابیوں کو دور کرو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ اسلام کی اس وقت جو ہتک ہو رہی ہے یہ دُور ہو اور خدا تعالیٰ کے نام کو غلبہ حاصل ہو تو اس کی ایک ہی صورت ہے کہ اپنے دلوں سے جھوٹ نکال دو اگر تم ایسا کر لو تو اس بات کا یقین رکھو کہ وہ دن قریب سے قریب تر ہوتا جائیگا۔

فتوحات کے لئے قربانی کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ کسی قوم کے لیڈر کو یہ معلوم ہو کہ میرے پیچھے جو جماعت ہے وہ کس قدر قربانی کر سکتی ہے اور میرے ہاتھ میں کیا چیز ہے جو میں دشمن پر پھینک سکتا ہوں۔ اسے علم ہونا چاہیئے کہ وہ کتنے آدمیوں کے ساتھ لڑ سکے گا۔ اگر جماعت سچ بولنے والی ہے اور اس کی آواز پر پچاس آدمی لبیک کہتے ہیں تو اسے یقین ہوگا کہ میرے ساتھ پچاس آدمی ضرور ہوں گے اور وہ دلیری کے ساتھ آگے بڑھے گا

لیکن اگر صورت یہ ہو کہ لبیک کہتے وقت تو چاروں طرف سے لبیک لبیک کی صدائیں بلند ہوں لیکن میدان میں نکلتے وقت معلوم ہو کہ یہ لبیک لبیک کہنے والے دراصل گوہ کھانے والی بھیڑیں اور بکریاں تھیں تو وہ کس طرح یقین کر سکتا ہے کہ اس دفعہ لبیک کہنے والے جھوٹ نہیں بول رہے اور وہ کس طرح اپنی طاقت کا اندازہ کر سکتا ہے۔ سوال تھوڑوں یا بہتوں کا نہیں ہوتا۔ بعض اوقات ایک آدمی کام کر جاتا ہے۔ آخر حضرت ابوبکرؓ نے کیا تھا یا نہیں جب ان سے کہا گیا کہ مدینہ میں خطرہ ہے اس لئے اسامہؓ والے لشکر کو روک لیا جائے اس پر آپ نے فرمایا جو ڈرتا ہے وہ یہاں سے چلا جائے میں اکیلا ہی مقابلہ کرونگا [۲] تو تھوڑے ہونے کی وجہ سے دینی جنگ کبھی نہیں رک سکتی لیکن اس وجہ سے رک جاتی ہے کہ اپنی طاقت کا صحیح اندازہ نہ ہو سکے۔ اگر امام لبیک کہنے والوں پر قیاس کر کے کوئی ایسی پالیسی اختیار کرتا ہے جس کے لئے ایک ہزار آدمی درکار ہوں گے لیکن عمل کے وقت صرف نوسَو آدمی ساتھ آتے ہیں تو اس کی شکست دُنیوی لحاظ سے یقینی ہوگی یا نہیں؟ اور اگر وہ نوسو آدمیوں کا اندازہ کر کے کوئی قدم اٹھاتا ہے اور آتا آٹھ سو ہے تو بھی وہ دنیوی لحاظ سے ضرور شکست کھائے گا اس لئے امام کو واضح طور پر معلوم ہونا چاہیئے کہ میں کس قدر قربانی کی امید کر سکتا ہوں اور یہ بات سچائی کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی۔

مؤمن کا کام یہ ہونا چاہیئے کہ جب وہ ایک دفعہ لبیک کہہ دے تو پھر خواہ کچھ ہو اسے پورا کرے تا امام یقین کے ساتھ یہ فیصلہ کر سکے کہ میرے پاس اتنی طاقت ہے اور اس سے میں نے مقابلہ کرنا ہے، وہ کم ہوں یا زیادہ اس کا سوال نہیں کیونکہ دینی کام میں کمی کی وجہ سے حرج نہیں ہوتا لیکن دھوکے سے بڑا ہوتا ہے دین کا کوئی کام بغیر سچ کے نہیں چل سکتا۔ کئی ضروری کام ایسے ہیں جو محض اس وجہ سے چھوڑنے پڑتے ہیں کہ شاید لبیک کہنے والوں میں سے ایک گروہ گوہ کھانے والی بھیڑیں ثابت ہو۔ ایسا طبقہ گو تھوڑا ہو ایک کثیر جماعت کی قربانیوں کو جو مخلص اور سچی عاشق اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے خراب کر دیتا ہے یا کم سے کم جماعت کی طاقت کو کمزور کر دیتا ہے۔ پس یہ ایک چیز ہے جو اپنے نفسوں پر رحم کرتے ہوئے میری مان لو پھر دیکھو تھوڑے ہی عرصہ میں کس طرح تمام نقشہ بدل جاتا ہے۔ اپنے اندر سچ قائم کرو باقی عیوب تمہارے خود بخود مٹ جائیں گے اور خدا تعالیٰ ان کو باقی نہیں رہنے دے گا۔ پس میں آپ لوگوں کو پھر توجہ دلاتا ہوں

کہ اس مسئلہ کو معمولی نہ سمجھتے ہوئے اس پر غور کرو۔
تحریک جدید کے چوتھے سال کے اختتام کے قریب میں پھر یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ہمیشہ سچائی پر قائم رہو اور اگر اپنے اندر طاقت محسوس نہیں کرتے تو سچائی سے کہہ دو کہ ہم یہ بوجھ نہیں اٹھا سکتے اس سے دین کے کام کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا لیکن تم اپنی جان کو ضرور بچا لو گے۔ دین کے لئے خدا تعالیٰ کوئی اور رستہ کھول دے گا لیکن جب منہ سے وعدہ کرلو تو پھر خواہ کچھ ہو اسے پورا کرو اور اسے پورا کرنے کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک قربان کرنے سے دریغ نہ کرو پھر دیکھو دنیا کا نقشہ کس طرح بدلتا ہے۔ اسی طرح واقعات میں بھی سچائی اختیار کرو کیونکہ اس کے بغیر بھی دین کے کام میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ فرض کرو ایک شخص تبلیغ کے لئے باہر جانا چاہتا ہے۔ اسے جب تک یقین نہ ہو کہ میرے محلّہ والے اور میرے پڑوسی راست گو ہیں اسے ایک قسم کا خطرہ رہے گا کہ یہ لوگ میری اولاد کو بھی خراب کریں گے، یا جھوٹے مقدمات وغیرہ بنا کر ان کو پریشان کریں گے لیکن اگر وہ جانتا ہے کہ اس کے محلّہ کا ہر شخص سچ بولنے والا ہے تو وہ ڈرے گا نہیں اسے خواہ تم دنیا کے کناروں تک بھیج دو وہ بے خوف وخطر چلا جائے گا وہ اپنے بیوی بچوں کو اپنے ہمسایوں سے محفوظ سمجھے گا۔ اسے اطمینان ہوگا کہ اگر کوئی واقعہ ہؤا تو میرے بیوی بچے بھی مجھے اصل واقعات لکھ دیں گے اور مدمقابل بھی سچ سچ لکھ دے گا اور اس طرح وہاں بیٹھے ہوئے بھی اس کے سامنے قادیان کے حالات ایسے ہی روشن ہونگے جیسے یہاں رہ کر ہو سکتے تھے اور وہ وہاں بیٹھے ہوئے بھی فیصلہ کر سکے گا اور اگر اس کے بیوی بچوں کی غلطی ہوگی تو ان کو لکھ دے گا کہ تمہاری غلطی ہے۔ تو دنیا میں شہادتوں کے وقت سچ بولنا ہمسایوں کو طاقت اور اہلِ محلّہ کو برکت دیتا ہے اور دین کے معاملہ میں سچ بولنا انتظام کو وسیع اور مضبوط کرتا ہے۔ پس یہ گُر ایک دفعہ اختیار کرلو اور دوسروں کو اختیار کرنے میں مدد دو یعنی وعدہ کرو کہ اپنے محلّہ میں اور اردگرد رہنے والوں کو جھوٹ نہیں بولنے دو گے اور فیصلہ کرلو کہ خواہ انجام کچھ ہو جھوٹا آدمی کوئی بھی اس جماعت میں نہ رہنے دیں گے۔ تو اس طرح خواہ آدھے لوگوں کو بھی نکالنا پڑے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ جھوٹا آدمی اگر ایک بھی ہے تو وہ سخت خطرناک ہے مگر اس وقت تو بہت سے ہیں، کئی ہیں جو دوست کی خاطر جھوٹ بول دیتے ہیں حالانکہ یہ

دوست کی خیر خواہی نہیں بلکہ اس سے دشمنی کے مترادف ہے۔

دوست کے ساتھ سچی ہمدردی یہ ہوتی ہے کہ اگر وہ غلطی پر ہو تو اسے یہ مشورہ دیا جائے کہ اپنی غلطی کا اقرار کرلو۔ یہ قدم اٹھاؤ تو تم دیکھو گے کہ تمہارے لئے دنیا کی کوئی مصیبت باقی نہیں رہے گی اور تمہارے اندر ایسی دلیری پیدا ہو جائے گی جو ہر مخالفت کو ایک زبردست دریا کی طاقت کے ساتھ خَس وخَاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گی۔ جھوٹ ہمیشہ بزدلی پیدا کرتا ہے۔ اگر تم نے کسی کو پیٹا ہے تو بعد میں جھوٹ سے کام نہ لو۔ اگر شریعت تمہیں اس کو پیٹنے کا حق دیتی ہے تو اس کا اقرار کرو بلکہ یہ بھی کہو کہ میں پھر بھی ایسا ہی کروں گا لیکن اگر شریعت اجازت نہیں دیتی تو اقرار کرو کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے خواہ اس کا انجام کچھ ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ تم قید ہو جاؤ گے لیکن تم اس زندگی میں قید سے ڈرتے ہو اور خدا تعالیٰ کی قید کا تمہیں کوئی خوف نہیں۔

غرض تم سے جو فعل بھی سرزد ہو اس کا صاف طور پر اقرار کرو اور اگر شریعت تمہیں اس کا حق دیتی ہے تو کہہ دو کہ ہم آئندہ بھی اس حق کو استعمال کریں گے لیکن اگر ایسا کرنے کا تمہیں حق نہیں تو اپنی غلطی کا اقرار کرو۔ قضاء میں کئی مقدمات آتے ہیں۔ ایک احمدی احمدی سے لڑتا ہے یا اسے گالی دیتا ہے۔ اِسے چاہیئے تو یہ کہ جس قدر قصور ہؤا ہے اس کا اقرار کرے لیکن کئی احمدی اپنے جُرم پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ انہیں سمجھنا چاہیئے کہ اقرارِ جرم کے نتیجہ میں اگر کچھ جرمانہ ہو جائے گا یا چند روز کے لئے مقاطعہ ہو جائے گا تو کیا ہے۔ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ یہاں تھوڑے سے جرمانے یا چند روز کے مقاطعہ سے دوزخ میں جانا زیادہ آسان ہے۔ اگر وہ غور کریں تو یہاں کی سزا تو عین رحمت ہے وہ اسے کیوں عذاب سمجھتے ہیں۔ اگر وہ خیال کرتے ہیں کہ مقاطعہ کی وجہ سے لوگوں میں ان کی سُبکی ہوگی تو کیا اس وقت ان کی سُبکی نہ ہوگی جب ان کے آباء واجداد اور ان کے بیٹوں، پوتوں اور پڑپوتوں کے سامنے انہیں دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ اگر وہ غور کریں تو یہ دنیوی سزا ایک نہایت حقیر سزا ہے آخرت کی سزا کے مقابلہ میں اور انہیں اسے اپنے لئے رحمت سمجھنا چاہیئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو ایک روز

مجلس لگی ہوئی تھی اور آپ اپنی وفات کے متعلق ہی ارشاد فرما رہے تھے کہ آپ نے فرمایا دیکھو ہر انسان جو اس دنیا میں کسی کو دکھ دیتا ہے اس کی سزا خدا تعالیٰ کے حضور پائے گا اور میں نہیں چاہتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور شرمندہ ہوں اس لئے میری خواہش ہے کہ جسے مجھ سے کوئی تکلیف پہنچی ہو وہ اس کا بدلہ آج ہی مجھ سے لے لے۔ اس بات کا صحابہؓ پر جو اثر ہوسکتا تھا وہ ظاہر ہے اور اس کا قیاس وہی کرسکتا ہے جسے کسی سے سچی محبت ہو۔ یہ بات سن کر ان کو ایسا معلوم ہوا جیسا کہ کسی نے ان کے سینوں میں خنجر گھونپ دیا ہو اور وہ بے تاب ہو کر رونے لگے لیکن ایک صحابی نے کہا یَا رَسُوْلَ اللہ! فلاں موقع پر آپ نے مجھے کُہنی ماری تھی آپ جنگ کے لئے صفیں درست کررہے تھے راستہ تنگ تھا اور گزرتے ہوئے آپ کی کُہنی مجھے لگی تھی۔ آپ نے فرمایا تم مجھے کہنی مارلو۔ اس صحابی نے کہا کہ یَا رَسُوْلَ اللہ! میں اس وقت ننگے بدن تھا اور آپ نے کرتہ پہن رکھا ہے۔ اس پر آپ نے اپنا کُرتہ اٹھا دیا۔ اس وقت صحابہؓ کی جو حالت ہوگی وہ ظاہر ہے ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اُدھر ہو تو اس شخص کو ٹکڑے کردوں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رُعب ایسا تھا کہ کسی کو بولنے کی جرأت نہ تھی۔ جب آپ نے کُرتہ اوپر اٹھایا تو وہ صحابی آگے بڑھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر اس جگہ بوسہ دیا اور کہا کہ یَا رَسُوْلَ اللہ! آپ اب ہم سے جُدا ہونے والے ہیں۔ یہ آخری موقع تھا میں نے چاہا کہ اس سے فائدہ اٹھا کر آپ کے جسم کو چُھو تو لوں۔[8] پس جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی آخرت کی سزا سے ڈرتے ہیں تو پھر اور کون ہے جو یہاں کی سزا کو سخت کہہ سکے۔ پس ہمیشہ سچ بولو اور اگر اس کے نتیجہ میں کوئی سزا بھی ملے وہ تمہارے لئے رحمت کا موجب ہوگی۔ دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو سزا سے بچنے کے لئے رشوتیں دیتے ہیں۔ آخر وہ بھی تو ایک سزا ہے کیونکہ اس میں بھی روپیہ جاتا ہے تو لوگ رشوتیں دے کر گورنمنٹ کی سزا سے بچنا چاہتے ہیں اور یہاں خدا تعالیٰ نے خود تمہارے لئے انتظام کر دیا ہے کہ دنیا میں قضاء مقرر کر دی تا تم آخرت کی سزا سے بچ جاؤ مگر تم اس سے بچنا چاہتے ہو حالانکہ رشوت کی نسبت یہ کتنا آسان علاج اور پھر طیب علاج ہے۔ پس میں پھر ایک دفعہ آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ اپنی جانوں پر رحم کرو، اولادوں پر رحم کرو، سلسلہ پر رحم کرو اور میں یہ تو نہیں کہتا کہ خدا تعالیٰ کے نبیوں پر رحم کرو لیکن یہ کہتا ہوں کہ

ان کی محبت کو یاد کر کے ان کی روحوں کو خوش کرنے کے لئے اور ان کے کام کو تباہی سے بچانے کے لئے ہمیشہ کے لئے سچائی کو اختیار کر لو۔ خود سچ بولو اور اپنی اولادوں کو اور اہلِ محلّہ کو سچ کا پابند کرو اور اگر تم ایسا کرنے کا وعدہ کر لو تو ایک سال کے اندر اندر تمہارے حالات اس قدر بدل جائیں گے کہ موجودہ اور آئندہ حالات میں تمہیں زمین اور آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ تم جدھر قدم اٹھاؤ گے خدا تعالیٰ کی طرف سے تمہیں برکت ملے گی اور ہر میدان میں دشمن تمہیں پیٹھ دکھائے گا کیونکہ سچ کی تلوار کے آگے کوئی طاقت نہیں ٹھہر سکتی۔''

(الفضل ۴؍اکتوبر ۱۹۳۸ء)

۱؎ الفاتحة:۶، ۷

۲؎ **Balantidium:** A genus of protozoa with cilia that includes Balantidium coli (B. coli). B. coli is the largest protozoan and the only ciliate parasite to infect humans. The disease that B. coli causes is called balantidiasis Clinical features, when present, include persistent diarrhea, occasionally dysentery, abdominal pain, and weight loss. Symptoms can be severe in debilitated persons.

B. coli is found worldwide. Because pigs are an animal reservoir for B. coli, human infections occur more frequently in arease where pigs are raised. Other potential animal reservoirs include rodents and nonhuman primates. Humans most often acquire the disease through ingestion of contaminated food or water.

۳؎ ابن ماجه كتاب الزهد باب ذكر الشفاعَةِ

۴؎ النجم:۹ ۵؎ اٰل عمران:۳۲ ۶؎ طٰهٰ:۱۱۵

۷؎ تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۳۳۵۔ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۸؎ سیرت ابن هشام جلد ۲ صفحہ ۲۷۸، ۲۷۹۔ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء